امامیہ مشن کا ترجمان تبلیغی رسالہ

ایڈیشن دوسرا

مطبوعہ
سرفراز قومی پریس وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ

تعداد طبع ایکہزار

حجج و بینات

اپنی نوعیت کی پہلی کتاب جو عالم اسلامی میں ظاہر ہوئی ہے ۱۳۵۰ھ ہجری میں مشاہدہ مشرفہ آئمہ معصومین علیہم السلام سے جو حیرت انگیز مظاہر قدرت یعنی معجزات ظاہر ہوئے اُن کے مستند تفصیلی واقعات اس میں شایع کئے گئے ہیں جو ارباب ایمانی کیلئے بصیرت افروز اور تمام مذاہب واقوام کے مقابل صداقت وحقانیت کی دلیل ہیں۔ یہ کتاب بھی حضرت سید العلماء کا نتیجہ قلم اور اُن ہی کی ذاتی تحقیقات اور کاوش کا نتیجہ ہے تقطیع ۲۶×۲۰ کاغذ سفید چکنا۔ قیمت صرف ایک عہ روپیہ۔ خرچہ ڈاک دو آنہ (۲ر)

وجیزۃ الاحکام

عرصہ سے اِس ضرورت کا احساس کیا جا رہا تھا کہ حضرت سید العلماء دام ظلہ کے فتاویٰ اور ضروری مسائل فقہ کا مجموعہ شایع کیا جائے چنانچہ بدرست یہ مختصر اور اہم مسائل کا مجموعہ شایع کیا گیا ہے انشاءاللہ آئندہ ایک مبسوط کتاب مسائل فقہ میں جو تمام ابواب فقہ کی جامع ہوگی شایع کیجائیگی۔

قیمت فی جلد چار آنہ اور خرچہ ڈاک ایک ۱ر آنہ

آنریری سکریٹری امامیہ مشن لکھنؤ

رشحاتِ قلم

حضرت فخر المحققین سید العلماء مولانا السید علی نقی صاحب قبلہ

مجتہد العصر دام ظلہ العالی

مطبوعہ سرفراز قومی پریس لکھنؤ

دوسرا ایڈیشن

صفر سنہ ۱۳۵۲ھ

امامیہ مشن کی سترہوین دینی خدمت
بیادگار جانشینی وصی رسول امام برحق حضرت علی بن ابیطالب علیہ السلام

نوروز و غدیر

سنہ ۱۳۵۲ھ

درحقیقت نوروز و غدیر دونون ایک ہی عید مسرت کے دو مظاہر ہین چونکہ ابکی سال مین شمسی و قمری حسابون کے تناسب کی وجہ سے یہ دونون عیدین بہت تھوڑے فاصلہ کے ساتھ ایک ہی ماہ مین پڑ گئی ہین اسلیے ہم اس رسالہ کو ان دونون عیدون کے ساتھ معنون کرتے ہین امید ہے کہ تمام اہل اسلام ان مضامین سے جو اس رسالہ مین مندرج ہین پورے طور پر بہرہ اندوز ہون گے۔ والسلام

خادم ملت سید ابن حسین۔ سکریٹری امامیہ مشن حسین آباد لکھنؤ

غدیر و نوروز

قرآن کی آخری آیت اور اکمال دین و اتمام نعمت

(حضرت سید العلماء کے موعظہ ۲۲ ذی القعدہ ۱۳۵۱ھ روز یکشنبہ کا مختصر اقتباس)(۱)

قرآن مجید کے متعلق جہانتک مفسرین و علمائے اسلام کے متفقہ بیانات پر نظر ڈالی جاتی ہے معلوم ہوتا ہی کہ اسکی ترتیب شان نزول کے مطابق نہین ہوئی ہی بلکہ اس مین اول کا آخر اور آخر کا اول ہو گیا ہی اور اسی اختلاف ترتیب کا نتیجہ تھا کہ موجودہ صورت مین اُسکی ابتداء و انتہا بھی محفوظ نہین رہی ہے۔

ابتداء قرآن مجید کی یعنی سب سے پہلا سورہ کہ جو جناب رسالتمآبؐ پر نازل ہوا تھا وہ سورۂ اقراء ہی اور سب سے آخری سورہ جو نازل ہوا ہی وہ سورۂ مائدہ ہے اور اس مین بھی سب سے آخری آیت الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا ہے۔

---

(۱) مبلغ لکھنؤ ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ۔

اگرچہ بعض مفسیرین نے سورۂ توبہ کو آخری سورہ قرار دیا ہے لیکن یہ صحیح نہین ہے اسلئے کہ سورۂ توبہ ۹ھ مین نازل ہوا ہے جبکہ رسالتمآب نے حج نہین کیا تھا بلکہ امیرالمومنین ع کو حکم امتناعی کے ساتھ مکۂ معظمہ روانہ کیا تھا کہ آیندہ سے مشرکین آکر خانہ کعبہ کا برہنہ طواف نہ کرین اسکے بعد رسول سال بھر زندہ رہے اور آخر ۱۰ھ مین حجۃ الوداع کی فرض کو انجام دیا اور سورۂ مائدہ اسی حجۃ الوداع مین نازل ہوا ہے۔ تو پھر سورۂ توبہ آخری سورہ کہان قرار پا سکتا ہے؟

ہرگز نہین بلکہ حقیقت یہی ہے کہ آخری سورہ مائدہ ہے اور اسمین آخری آیت الیوم اکملت لکم دینکم ہے جو ۱۸ ذی الحجہ کو نازل ہوئی اسوقت کہ جب رسالتمآب ص نے مقام غدیرخم مین علی بن ابیطالب ع کی وصایت کا اعلان کیا اور اگر غور کیا جائے تو آیت خود بھی اپنے آخری ہونے کا اظہار کر رہی ہے۔

اصول فصاحت و بلاغت کے رو سے جس طرح ابتدائے کلام مین ایسا تذکرہ ہوتا ہے جو اصل مقصد کو بتلاتے ہوئے افتتاح پر دلالت کرے اُسیطرح اختتام مین ایسے الفاظ ہوتے ہین جو اختتام کو ظاہر کرین۔

قرآن مجید کی ابتدا ہوئی اقرأ باسم ربک الذی خلق "پڑھو خدا کا نام لیکر"۔

اس سے اشارہ ہوا کہ اب قرآن کا افتتاح ہوتا ہے اور اس لئے مخاطب کو قرأت پر آمادہ کرتے ہوئے خدا کا نام لینے کی ہدایت ہوئی جو ابتداء کی خصوصیت ہوا کرتی ہے۔

انتہا الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی آمین

اکملت اور اتممت کی دونون لفظون سے تمام و کمال کا پتہ دیا گیا اور یہ کہ اب جو کچھ پہونچنا تھا پہونچ چکا اور جو کچھ شریعت کی تکمیل ہونا تھی ہو چکی، رسول کی زندگی مین بھی اسلئے کہ قرآن مجید پورا اتر چکا اور رسول کے بعد کی بھی اسلئے کہ بعد کا انتظام علیؑ کی وصایت کے اعلان سے کرا دیا گیا۔ اس طرح اکمال دین اور اتمام نعمت ہوا اور اسطرح اسلام دین مرضی الٰہی قرار پایا۔ یہ تھا وہ مبارک دن جسکی عظمت کا احساس اسلام والون کے علاوہ غیرونکو تھا چنانچہ تفسیر درمنثور حافظ جلال الدین سیوطی مین ہے عن ابی العالیۃ قال کانوا عند عمر فذکروا ھذہ الآیۃ فقال رجل من اھل الکتاب لو علمنا ای یوم نزلت ھذہ الآیۃ لا تخذ ناہ عیدا فقال عمر الحمد للہ الذی جعلہ لنا عیدا۔

حضرت عمر کے سامنے اس آیت کا تذکرہ ہوا، ایک شخص نے اہل کتاب (یہود) مین سے کہا اگر ہم کو معلوم ہوتا یہ آیت کس دن نازل ہوئی ہے تو ہم تو

اس کو عید قرار دیتے۔ حضرت عمرؓ نے کہا شکر ہے خدا کا کہ اسنے اس دنکو ہمارے لئے عید قرار دیا ہے، جتنے واقعات مختلف ایام مین ہوتے ہین اُنکے لئے دو حیثیتیں پائی جاتی ہین ایک حرکت قمر کے اعتبار سے اور اُسکے تغیر و تبدل کی حیثیت سے جو مہینہ کے مختلف اوقات مین ہوتا رہتا ہے اور ایک آفتاب کی حرکت سے کہ جس کا دورہ سال بھر مین ختم ہوتا ہے اور جسکے ذریعہ سے اوقات و فصول مین تغیر و تبدل ہوتا ہے۔

شریعت اسلام کے احکام ہین جہانتک نظر کی جاتی ہے اُنکی بنیاد زیادہ تر قمری حساب پر قرار دی گئی ہے اسلئے کہ اس کا انضباط ذاتی مشاہدہ و احساس پر مبنی ہے جس مین خواص و عوام مساوی درجہ رکھتے ہین اور اس طرح ہر شخص اپنے ذاتی مشاہدہ کی بنا پر اپنے اعمال کو صحیح طور سے بجالا سکتا ہے برخلاف آفتاب کی حرکت اور اُسکے منازل کے، وہ سوائے منجمین اور علماء افلاک کے کسی کے سمجھنے کی چیزین نہین ہین اور اس لئے عام افراد کے لئے اُن پر عمل آسان نہین ہے۔

لیکن یہ اس اہم واقعہ وصایت امیر المومنین کی خصوصیت تھی کہ اس مین قمری و شمسی دونون حسابون کو معتبر قرار دیا گیا، قمری حساب سے تاریخ ۱۸ ذی الحجہ قرار پائی جسکا نام عید غدیر ہوا اور شمسی حساب سے چونکہ اس تاریخ جب یہ اہم واقعہ رونما ہوا آفتاب نقطۂ اعتدال پر پہونچا تھا

جو برج حمل مین اُسکے داخلہ کا مرادف ہے اسلئے سال کی تاریخون مین یہی دن کہ جب آفتاب برجِ حمل مین داخل ہو اور اعتدال کا وقت آئے عید قرار پایا جس کا نام نوروز ہے اور پھر اتفاق سے امیرالمومنینؑ کی خلافت ظاہری بھی اُسی دن تھی جسکے معنی یہ ہین کہ آفتاب خلافت اپنے نقطۂ اعتدال پر آیا تھا جس کے اندر افراط و تفریط کا شائبہ نہین لا شرقیۃ ولا غربیۃ بلکہ جوامۃً وسطًا کا صحیح مصداق ہے۔ اسلئے بھی رمز کے طور پر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اس دن کو یادگار قرار دیدیا گیا اور آفتاب خلافت کے نقطۂ اعتدال پر پہونچنے کی یاددہانی مین ہر سال جب آفتاب نقطۂ اعتدال پر پہونچے اُسکو مسلمانون کے لئے عید مقرر کردیا گیا۔

آفتاب خلافت کا نقطۂ اعتدال

خلافت یا جانشینی رسول کو اُسکے حقیقی مفہوم کے اعتبار سے دیکھو تو وہ کبھی امیرالمومنینؑ سے جدا نہ تھی اور نہ ہو سکتی تھی، وہ ایسی شئے نہین ہے جو چھینی جا سکے یا زبردستی اُس پر قبضہ مخالفانہ قائم کیا جائے، مال و دولت صندوقوں مین بند کر کے مضبوط و مستحکم مکانات مین مقفل کر کے رکھا جاوے اور اُسکی حفاظت کے لئے پہرے بٹھائے جائین لیکن کسی متبحّر عالم کا علم، جنگ آزما شجاع کی شجاعت، دریا دل سخی کی سخاوت کبھی اسکی محتاج نہین ہوئی کہ اُس کو پردون مین چھپا کر اور صندوقون مین مقفل کر کے محفوظ کیا جائے یا اُسکے متعلق چور اور ڈاکوؤن کی دست برد کا اندیشہ ہو۔

حقیقۃً خلافت کے معنی یہ ہین کہ رسول کی وفات کے بعد ایک شخص اُنکی جگہ کو پُر کر دے، بایں معنی کہ اخلاق و کمالات مین اس طرح رسولؐ کی تصویر ہو کہ گویا دنیا کو معلوم نہو رسول دنیا سے اُٹھ گئے ہین، شریعت کو معلوم نہ ہو کہ مبلغ شریعت موجود نہین ہے، اسلام کو معلوم نہ ہو کہ اُسکا مونس عالم مین نہین ہے، قرآن کو معلوم نہ ہو کہ اُسکا حامل رخصت ہو گیا سنت کو معلوم نہو کہ

(رسالہ الواعظ لکھنؤ بابتہ ذی القعدہ ۱۳۴۸ھ جلد ۹ نمبر ۴)

اُسکا ہونچانیوالا باقی نہین رہا مختصر یہ کہ فریضۂ اصلاح و نظام عالم مین جن چیزوں کو دخل ہی اُسکی حیثیت سے وہ اپنے پیش رو نبی کا اس حد تک سہیم و شریک ہو کہ تبلیغ احکام اور حفظ شریعت مین کسیطرح نقص و فتور نہ ہونے پائے، اگرچہ ذاتی و شخصی کمالات کے اعتبار سے دونوں ہستیوں مین اُتنا تفاوت ضروری ہوگا جتنا خود منصب نبوت و خلافت مین تفرقہ موجود ہے

مذکورہ بالا حقیقت کو دیکھتے ہوے خلافت کسی مقرر کیے ہوے وظیفہ یا عطا کیئے ہوے منصب کا نام نہین ہی بلکہ اُن شخصی اور ذاتی کمالات کا نام ہی جو خالق کی طرف سے کسی مخصوص بندہ مین ودیعت کر دیے گئے ہین اور جو مبدأ خلق و تکوین مین اُسکی ذات سے مخصوص ہو گئے ہین، وہ نہ کسی کے علیحدہ کرنے سے علیحدہ ہو سکتے ہین، نہ کسی کے چھیننے سے چھن سکتے ہین!

اس مفہوم کے اعتبار سے اگر امیر المومنین علیؑ کی شخصیت پر نظر ڈالی جاتی ہی تو وہ اپنی زندگی کے ہر دور، اپنی عمر کی ہر ساعت، ہر دقیقہ، ہر ثانیہ مین رسولؐ کے خلیفہ و جانشین نظر آتے ہین، کس کو یہ طاقت حاصل ہے کہ وہ اس خلافت کو علی بن ابی طالب سے علیحدہ کر سکے۔

یقیناً سخت غلطی ہے اگر ہم علی بن ابیطالب کی اِس خلافت کے متعلق کسی تاریخ یا دن کی تعیین کریں، یوم دار ہو، یا غدیر، یا بیعت العشیرہ کی محفل ہو یا انما ولیکم اللہ کا موقع، ان مین سے کوئی بھی علیؑ کی جانشینی کی تاریخ

نہین ہی بلکہ درحقیقت یہ سب وہ اشتہارات واعلان ہین کہ جو عام افراد کی اطلاع کے لئے شایع کیئے گیئے ہین،

چونکہ خلافت باطنی امراور مخفی حقیقت ہے جس کی تشخیص معمولی افراد بشر کا کام نہین ہی بلکہ وہی ہستی کہ جو نوع بشر کے آب وگل کی خلق کرنیوالی تھی اس رمز وحقیقت پر مطلع ہو سکتی ہی اسلیئے ایسے شخص کی تعین کرنا بھی اُسی علام الغیوب ہستی کا کام ہی اور اسی لیئے اُس نے رسول کی معرفت عالم بشری تک اپنے نتیجہ انتخاب کی اطلاع پہونچائی اور متعدد طریقوں سے عنوان بدل بدل کر اسکی تبلیغ کرائی، من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ، انما ولیکم اللہ و رسولہ ھذا وصیی وخلیفتی۔ علی منی بمنزلۃ ھٰرون من موسیٰ وغیرہ وغیرہ آیات واخبار کے ذریعہ سے علی ابن ابیطالبؑ کی خلافت کو امت اسلامیہ تک پہونچایا گیا ہے۔

بیشک جس طرح رسول اپنی زندگی مین مسلمانون کے روحانی بادشاہ ہین اور اُن کا تمام نظم ونسق، سیاہ سفید حضرت کی حکم کا تابع ہے (النبی اولی بالمومنین من انفسھم) اسی طرح اُنکا جانشین اور خلیفہ کہ جو اُنکے مراتب کمال کا حامل اور فرائض دینیہ کا حافظ ہی خدا کی جانب سے اس بات کا مستحق ہی کہ امت کی زمام حکومت اُسکے ہاتھ مین ہو اور وہ اپنی مرضی کی مطابق اُنکے انتظامی اور تمدنی فلاح ونجاح کا سامان بہم پہونچائے، یہ ظاہری

آثار ہین جو خلافت الٰہیہ کے ساتھ ساتھ خلیفہ و امام کیلئے ثابت ہوتے ہین اور چونکہ اُن کا تعلق ظاہری شان و شوکت اور حکومت و سلطنت سے ہے اسلئے مختلف افراد کی طمع و حرص اور ظلم و تعدی کا مرکز بن سکتے ہین اور ظاہری نظرین اسی کو واقعی خلافت اور جانشینی خیال کرتے ہوے یہ کہنا جائز سمجھتی ہین کہ امیر المومنین سے خلافت علیحدہ کر لی گئی یا غیر مستحق افراد نے اُسپر قبضہ کر لیا اور ہمارے اس مضمون مین بھی آئندہ جب خلافت کی لفظ نظر آئے تو اُس سے انہی معنی کو مراد سمجھنا چاہیئے۔

رسالتمآب کی وفات کے بعد جو انقلاب ہوے اور انمین حقائق اور واقعات کا جس طرح خون کیا گیا اُسکا تذکرہ مقصود نہین ہے۔ تاریخ اُن تمام واقعات کو اپنے دامن مین لیئے ہوے ہے، خلافت نے اپنے حقیقی مرکز سے ہٹکر کتنے بھیس بدلے اور کیسی مختلف صورتین اختیار کین؟ وہ تمام اُن سیاسی داؤن پیچون کا نام ہو گیا جن کے ذریعہ سے مسلمانونکی جماعت کو بھیڑون کی طرح اپنے مقصد کے موافق ہنکایا جا سکے۔

ہر شے کی ایک میعاد ہوتی ہی، ناانصافی، خود غرضی، اپنونکی جانبداری حقدارون کے حقوق سے چشم پوشی، ستم رسیدہ مظلومونکے فریاد و شیون سے چشم پوشی انتہا تک پہونچ چکی تھی، مسلمانون کے صبر و ضبط کا پیمانہ چھلکا

اور اُس نے خلیفۂ وقت کے سفینۂ حیات کو غرق کر کے چھوڑا۔

یہ اقدام کتنے بھی حق بجانب شکایات کا نتیجہ ہو لیکن اتنا ضرور ہے کہ نامناسب تھا، امیر المومنینؑ کا ۲۵ برس تک خون جگر پیتے رہنا اور صبر کرنا اسی لیئے تو تھا کہ تلوار کھینچنا اسلام کے مجمع شیرازہ کے منتشر ہونیکا باعث اور مسلمانون کی خون ریزی کا سبب ہے ورنہ وہی تلوار کہ جس نے جوانی مین عمرو ابن عبدود کا خون بہایا اور بدر و احد و خیبر و خندق کو فتح کیا اور بڑھاپے مین جمل و صفین و نہروان کے میدانون مین اپنے جوہر دکھا کر دشمنون کے دلون پر سکہ قائم کیا وہی ادھیڑ پن مین بھی علی ابن ابی طالب کے پاس موجود تھی، نہ اسکی باڑھ کند ہوئی اور نہ امیر المومنینؑ کے بازوون کی سکت مین کمی ہوئی تھی پھر اتنی طویل مدت تک مختلف قسم کے ظلم و ایذا بلکہ توہین و تذلیل کا برداشت کرنا اسی لیئے تو تھا کہ اسلام کی بندھی ہوئی مٹھی کھلنے نہ پائے، اسی وجہ سے آخری دور مین جن افراد نے خلیفۂ وقت کے قتل کا اقدام کیا اُن کو بھی امیر المومنین کیطرف سے کوئی مدد نہین دی گئی بلکہ متعدد مرتبہ درمیان مین پڑکر فتنہ کی آگ کو خاموش کیا اور غصہ مین بھرے ہوئے حملہ آورونکو سمجھا بجھا کر ہٹا دیا۔

لیکن افسوس ہے کہ واقعات نازک سے نازک تر صورت اختیار کرتے گئے اور آخر قصر حکومت کی زمین فرمانروائے خلافت کے خون سے رنگی ہوئی نظر آئی، اب ذرا مسلمانون کی آنکھین کھل چکی تھین آمادگی سے

دم اُکتا گیا تھا روشنی کی تلاش تھی، اُسکے لئے ڈھونڈھنے کی ضرورت نہین تھی، غدیر کے عمومی اعلان کی آواز ایسی نہ تھی جو ایکبارگی فضامین گونجکر فنا ہو جائے، یہ تو کہو کہ ابتک اغراض نفسانیہ، تعصب عداوت تخویف وتہدید اور جبر و ظلم لوگون کی آنکھون پر پردہ ڈال کر اُنکے ضمیر کے خلاف ڈھکیل رہے تھے لیکن اگر اُن کے باطنی جذبات اور نفسانی کیفیات کا جائزہ لیا جاتا تو صاف معلوم ہو جاتا کہ وہ خود اپنے نزدیک گناہگار تھے، یقیناً اُن کی آنکھون کے سامنے غدیر کے میدان کا مرقع ہر وقت پھرتا اور کانون مین وہ پر زور آواز گونجتی ہو گی، اب تو موانع برطرف ہو چکے تھے، سب کو حق کی تلاش تھی اور خلافت کو اُسکے حقیقی مرکز تک پہونچانا تھا بلکہ یون کہنا چاہیئے کہ ظاہر کو باطن سے، لفظ کو معنی سے مطابق کرنا منظور تھا، آئے اور سیدھے اُسی مرکز پر آئے جہان پہلے آنا چاہیئے تھا علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے دروازہ پر مہاجرین و انصار کا ہجوم ہو گیا اور ہر شخص کی یہی خواہش کہ اب آپ اپنی حقیقی جگہ پر تشریف لائین اور حفظ شریعت اور ہدایت خلق کا فریضہ جو ابتک پردے مین رہ کر ادا کر رہے تھے اب مسند خلافت پر متمکن ہو کر ظاہری صورت مین ادا فرمائین، تاریخی واقعات مین جو شخص جوڑ پیوند لگانا چاہتا ہو اور غیر مرتب متفرق باتون کو ایک سلک مین مسلسل دیکھنے کا عادی ہو اُسکو اِس موقع پر حیرت و استعجاب کی انتہا

نہین رہتی کہ امیرالمومنینؑ ایک وقت مین خود سے خلافت کے طالب تھے،
ایک ایک کے دروازہ پر جا جاکر ہمدردی و نصرت حاصل کرنا چاہتے اور عام طور
سے اپنے حق کا اعلان کرتے تھے جس کی وجہ سے نہ معلوم کتنی مصیبتون اور
سختیون کو بھی برداشت کرنا پڑا آج وہی امیرالمومنین ہین کہ مہاجرین و انصار
چارون طرف سے گھیرے ہوے ہین، الحاح و اصرار کی انتہا نہین لیکن علی
بن ابی طالبؑ کسی طرح خلافت کو منظور نہین کرتے اور انکار ہی کر رہے ہین
بات یہ ہے کہ وہ وقت جب امیرالمومنینؑ اپنے حق کی رو سے خلافت کے طالب
تھے وہ تھا کہ جب تمازہ رسول کی آنکھ بند ہوئی تھی حضرت کے روحانی تعلیمات
کا اثر مسلمانون کے دلون سے دور نہ ہوا تھا، علی بن ابی طالبؑ کی سیرت
اور انکا طرز عمل بھی بالکل وہی تھا کہ جو اُن کے استاد اور مربی رسالتمآبؐ کا
اسوہ حسنہ تھا، یقیناً اگر اُسوقت مسند خلافت پر علی ابن ابیطالبؑ متمکن
ہو جاتے تو دنیا کو معلوم بھی نہ ہوتا رسولؐ کب دنیا سے اُٹھے؟ وہی انصاف و عدالت
وہی تبلیغ احکام اور حفظ شریعت، وہی رحم و کرم اور رواداری، وہی قواعد
و قوانین اسلام کی پابندی و محافظت، مسلمان تو اسی طریق حکومت کے
عادی تھے ہی، یقیناً عالم گہوارۂ امن و امان ہوتا اور حقیقی اسلام منتہائے ترقی
کے ساتھ عالم مین منتشر ہوتا مگر اُسوقت علی کی شنوائی نہوئی تاہم خلافت
کے دو دورون تک نظام حکومت مین جتنی کمزوریان بھی ہون لیکن اموال مسلمین

اور حقوقِ عامۂ ناس میں کوئی کھلی ہوئی فروگذاشت نہ ہوتی تھی اور ظاہری صورت
میں ایک حد تک مساوات کا خیال رکھا جاتا تھا، اسی وجہ سے تیسرے خلیفہ
کے انتخاب کے موقع پر بھی امیر المومنین علیہ السلام نے پوری قوت کیساتھ اپنے حقِ خلافت
کا اعلان کیا اور دلائل و براہین کے ذریعہ سے اپنے استحقاق کو ثابت کر دیا
لیکن جبکہ لوگوں نے خلافت کو امیر المومنین کے سامنے پیش کیا اور حضرت
سے اصرار کیا تو یہ وہ وقت تھا کہ مسلمانوں کی عادتیں خراب ہو چکی تھیں،
مسلمانوں کے حقوق میں عدم مساوات، جانبداری اور بیجا رعایت اموال
مسلمین میں پوری فیاضی کے ساتھ تصرف کا دور دورہ تھا، اسلامی مساوات
اخوت اور ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم کی حقیقت بالکل لوگوں کو
فراموش ہو چکی تھی اور کسی کو اس کا احساس نہ تھا تمام مناصب اور بڑے
عہدے بنی اُمیہ کے قبضہ میں تھے، اموال مسلمین کے وہ بلا شرکت غیرے مالک
بنا دئے گئے تھے اور جو لوگ زیادہ حاضر دربار رہتے تھے اور بارگاہ معلی میں
تقرب حاصل کر لیتے تھے اُن کو تمام مسلمانوں سے زیادہ بیت المال کے خزانہ
کا استحقاق ہوتا تھا، بڑے بڑے اسلامی بلاد بنی اُمیہ کے زیر نگین کئے جا چکے
تھے، ان تمام واقعات نے حقیقۃً خلافت کو اس قابل نہیں رکھا تھا کہ امیر المومنین
اُسکو اپنے ہاتھ میں لیں، حضرت ان حالات اور تغیرات کو پورے طور پر
سمجھے ہوئے تھے جو اسلامی مزاج میں رونما ہو گئے تھے، وہ خوب جانتے تھے

کہ مین اگر اسوقت خلافت کو منظور کرون تو کبھی کامیابی کیساتھ شریعت الٰہیہ
اور احکام اسلامیہ کے راستہ پر اُس کو نہین چلا سکتا، اسی وجہ سے مہاجرین و
انصار کے حد سے زائد اصرار پر آپ یہی فرماتے رہے کہ اکون وزیرا خیر
لکم من ان اکون امیرا، تمہارے لئے مین امیر ہون، اس سے بہتر یہ ہے
کہ امیر کوئی اور ہو مین اُس کا وزیر ہون اسلئے کہ وزیر کا فرض مشورہ
دینا ہے لیکن ذمہ دار وہ شخص ہے کہ جو تخت امارت پر متمکن ہو آخر مین
امیر المومنین کو منظور کرنا پڑا اور اس کا باعث صرف ایک تھا، اور وہ یہ کہ
مہاجرین اور انصار کے منتہائی اصرار اور اس اعلان کے بعد کہ ہم آپکی امتثال
اور اطاعت پر آمادہ ہین اُنکی خواہش کو رد کرنا گویا اُنکی طرف سے اتمام حجت کا
باعث تھا اور اُن ذمہ داریون کو دیکھتے ہوے جو ایک حقیقی رہنمائے خلق
کے متعلق خداوند عالم کی طرف سے مقرر ہین اگر حضرت اس موقع کو ہاتھ سے
جانے دیتے تو خدا کی بارگاہ مین جواب دہ ہونا پڑتا۔

امیر المومنینؑ کی خلافت ایک عیسائی کی نظر مین

عبد المسیح انطاکی ملک عرب کے مشہور مؤلفین و مصنفین مین تھا اور مصر کے
ارباب قلم مین خاص مرتبہ رکھتا تھا، ایک عرصہ تک جریدہ العمران کے ذریعہ
عربی تاریخ ادب کی خدمت کی اور تقریباً ۱۹۲۱ء مین داعی اجل کو لبیک کہا

اسکو اسلامی واقعات سے خاص دلچسپی تھی اور کئی سال تک ممالک اسلامیہ کا دورہ کرکے اسلامی معلومات کو حاصل کیا تھا جس کا بہترین نتیجہ قصیدۂ علویہ ہے جو درحقیقت اسکی عمر کا عظیم ترین کارنامہ کہے جانیکا مستحق ہے، ہم نے دو سال قبل اخبار سرفراز کے رجب نمبر مین اس قصیدہ کے خصوصیات پر کافی روشنی ڈالی ہے لیکن چونکہ اُس کو عرصہ گذر گیا اور یقیناً وہ خصوصیات اکثر ناظرین کو محفوظ نہ ہون گے لہذا اس موقع پر اُتنے حصہ کا نقل کرنا ضروری ہے۔

"قصیدۂ علویہ عبدالمسیح انطاکی کے ان زرین کارنامون مین سے ہے جن پر دنیائے تصنیف ایک مدت تک فخر کرنے کا حق رکھتی ہے امیرالمومنین کی مفصل ومبسوط سیرت، حقایق اسلام پر تبصرہ، حکومت و خلافت پر غیر جانبدارانہ خیالات کا اظہار، بعثت رسولؐ کے قبل عرب کے اخلاق وعادات رسالت مآبؐ کی سچی تعلیم کے تاثیرات، اسلامی تاریخ کے اہم نکات پر منصفانہ بحث، ان تمام مطالب کو ... ٦ صفحہ کی کتاب مین اس عنوان کے ساتھ جمع کیا گیا ہے جسکی نظیر اسکے قبل ملنا دشوار ہے، یقیناً امیرالمومنینؑ کی سیرت مین کسی مسلمان نے ابھی تک اس گرانقدر فرض کو اس طرح ادا نہین کیا تھا جس طرح ایک عیسائی نے اس فرض کو ادا کیا ہے، اُس پر طرہ یہ ہے کہ ادبی حیثیت .... سے

اسکو علمی سائنس کا حیرت انگیز کرشمہ کہنا چاہیے، اتنی مبسوط کتاب جس میں تمام واقعات و حقائق پر روشنی ڈالی گئی ہے ایک قصیدہ کے ضمن میں اس طرح نظم کرنا کہ شروع سے آخر تک ایک ہی ردیف و قافیہ باقی رہے یقیناً ادبی دنیا میں پہلا نمونہ ہے۔ یہ قصیدہ پانچ ہزار پانچ سو پچانوے (۵۵۹۵) اشعار پر مشتمل ہے جنمیں تکلف و تصنع کا لگاؤ نہیں اور خالص عربی زبان کا لطف بھی موجود ہے ۱۹۱۷ء سے ۱۹۱۹ء تک دو برس کے عرصہ میں اسکی تصنیف ہوئی ہے اور ۱۹۲۰ء میں مطبع رحمیس (فجالہ) مصر سے طبع ہو کر شائع ہوا ہے" (سرفراز لکھنو جلد دوم، نمبر ۲۸) غالباً اس بیان سے قصیدۂ علویہ کے خصوصیات واضح ہو گئے ہونگے، اسی قصیدہ میں فاضل مولف نے امیر المومنینؑ کی خلافت اور مہاجرین و انصار کے خیالات کی جن لفظوں میں تصویر کھینچی ہے اُن کو اس مقام پر نقل کرنا چاہتا ہوں، میں نہیں سمجھ سکتا کہ اُردو ترجمہ میں وہ لطف کہاں سے پیدا کروں کہ تمام ناظرین اصل اشعار کے ممتاز خصوصیات کا اندازہ کر سکیں -

ماماتَ عثمانُ الّا و الصیاحُ دوی

بین الاعارب اعطوا القوسَ باریہا

حضرت عثمان کا مرنا تھا کہ ملک میں شور برپا ہو گیا اب کمان اُسی کے بنانیوالے کے ہاتھ میں دو (یعنی خلافت اُسکے اصلی حقدار تک پہونچاؤ)

انا نزوم اماما عالما فقیھا — وعی الشریعۃ واستقصی معانیھا

ہم ایسا امام چاہتے ہیں جو علم و فقاہت کے ساتھ احکام شریعت کا حافظ اور اُسکے معانی کا احاطہ کئے ہو۔

وحاکما عادلا للحق منتصرا — بہ تنال رعایا لاتساویھا

وہ ایسا عادل حاکم ہو جو ہمیشہ حق کا طرفدار رہے اور جس کے دور میں رعایا کی اندر مساوات کا درجہ حاصل رہے۔

وسیدا ما تعالی عن رعیتہ — فان اتتہ تفاھیہ یفاھیھا

ایسا سید و سردار کہ جو کبھی اپنے تیئں رعیت سے بلند نہ سمجھے اگر رعیت اُس سے آگر مو کھ در مونہ بات کرنا چاہے تو وہ کشادہ پیشانی کے ساتھ باتیں کرنے پر آمادہ ہو۔

واھلا اشتراکیا کما نزلت — ای الھدی وکما قد شاء موحیھا

اور وہ اشتراکی رہنما کہ جو آیات قرآن اور اُنکے اتارنیوالے کے منشاء کے مطابق حکم کرتا ہو۔

نختار من لا یحابی بین امتہ — اذا تنازع سفلیھا وعلویھا

ہم اسکو پسند کرتے ہیں جو بڑے اور چھوٹے شخص کے مقابلہ کیوقت جانبداری اور رو رعایت کو صرف نہ کرے۔

نختار من لا یری تمییز عترتہ — عن الرعیۃ او یوما یحابیھا

ہم اُسکو پسند کرتے ہین جو عام رعیت پر اپنی اولاد تک کو مقدم نہ سمجھتا ہو اور
اُنکے ساتھ کسی قسم کی ناحق مراعات کو جائز نہ سمجھے۔

نختار من تعرف الھیجاء کرتہ ومن یصول علی الاعداء وینکیھا
ہم اُسکو پسند کرتے ہین جس کے تابڑتوڑ حملے ین کو میدان جنگ پہچانے ہوے
ہےاور جو دشمنون پر حملہ کرکے اُنکے دلون کو برباد دیتا ہو۔

نختار من یزدری الاموال یحقرھا زھلا ویبذ لھا برا لعافیھا
ہم اُسکو پسند کرتے ہین جو مال دنیا کو بے حقیقت سمجھتا ہو اور اُس کو دریا دلی
سے فقرا و مساکین پر صرف کرے۔

نختار من کان للھادی الرسول اخا نلک الاخوۃ اخلق ان نراعیھا
ہم اُسکو پسند کرتے ہین جو رہنماے اسلام رسوؐل کا بھائی ہے اور اس اخوت کا
لحاظ ہمکو سب سے زیادہ ضروری ہے۔

خرنا الذی ربہ قد خارہ ورسو لہ وخیرنہ ھبوا لنمضیھا
ہم نے اُسی کو پسند کیا ہے جس کو خدا اور اُس کے رسول نے منتخب کیا
ہے اور اُسی کے انتخاب کو آؤ ہم بھی امضا کرین۔

کذالک کانت جموع المسلمین تنا دی بعضھا البعض ما احلی تنادیھا
یہی باتین تھین جو مسلمانون کی جمعیت مین ایک دوسرے کو پکار پکار کر ہو رہی
تھین اور حقیقۃً کتنی شیرین باتین تھین۔

وبانہا لیال مّت دار حیدر رغ بماالدیہا من الا مال ترجیہا

سب کے سب تکبیر و تہلیل کی آوازون کے ساتھ علی بن ابیطالب کے گھر کی طرف چلے اور امیدین اُنکے قدمون کو بڑھا رہی تھین ۔

وزمرۃ من وجوہ القوم قد خلت علی العلی وحیاہ محییہا

اور ایک ممتاز جماعت باوجاہت اشخاص کی اُس بلند مرتبہ امام کی خدمت مین آئی، اور آداب تسلیم کو ادا کیا۔

فیہا زبیر وفیہا طلحۃ وسلو ئی ھٰذین ممن سموا فی العرب توجیہا

ان مین طلحہ و زبیر اور انکے علاوہ ملک عرب کے بہت سے موجہ اشخاص تھے۔

قالت ممالکنا ذا الیوم شاغرۃ وانت صہر نبی اللّٰہ تحمیہا

عرض کیا کہ ہمارا ملک پر آشوب ہو گیا ہے اور آپ ہی اے رسُول کے داماد اب اسکی حفاظت کر سکتے ہین ۔

بادر لنجدتنا واقبل امارتنا فضلا وانا الی علیاک نہدیہا

ذرا بڑھ کر ہماری دادرسی کیجئے اور احسان کر کے امارت کو قبول فرمائیے اور ہم اُسے آپ ہی کی خدمت مین پیش کرتے ہین ۔

نادا ھم یمموا غیری فانی قد زہدت فیہا وأموا مستجیبہا

حضرت نے پکار کر فرمایا کہ میرے سوا کسی اور کے پاس جاؤ کیونکہ مجھکو اس خلافت کی پرواہ نہین اور اُن اشخاص کیطرف توجہ کرو جو اسکے دل سے طالب ہون۔

انا لمستقبلوا امر مصاعبها ... لها وجوہ تغشیہا طوار بہا

ہمارے سامنے ایسا سخت مرحلہ ہے کہ جسکے شدائد طرح طرح کے پہلو رکھتے ہین

افا فکم قلائماٌ مت وھی عمطرۃ ... بروقہا ما اختفی عنی تلوبہا

تمہارے افق پر سیاہ بادل چھائے ہوئے ہین اور یہ برس کر رہین گے، اُنکی چمکتی ہوئی بجلیون کا پیچ و خم مجھپر مخفی نہین ہے

وقد تنکرت السبل التی وضحت ... تنکرا یورث الاضلال وایہا

واضح راستے ہدایت کے اس طرح اجنبی بنگئے ہین کہ گمراہی اور سرگشتگی کا اندیشہ ہے۔

فان اجبت فانی راکب بکم ... طرقا بعلمی یحابیہا محابیہا

اگر مین تمہاری خواہش کو قبول کرون تو یقیناً تم کو اپنے علم کے مطابق ایسے راستون پر چلاؤن گا جس سے پہلو تہی کرنے والے پہلو تہی کرتے ہین

ولست اصغی الی قول ومعتبۃ ... ما دمت احکام رب العرش اجریہا

اور ہرگز مین کسی کے کہنے سننے ناراض ہونے کی پرواہ نہ کرون گا جتنبک کہ خدائی احکام کا اجرا کرتا رہون۔

وان ترکتم علیا من ولایتکم ... فاننی واحد من بین اہلیہا

اور اگر تم علی کو اپنی حکومت سے معاف کردو تو مین معمولی افراد مین سے ایک

شخص کی حیثیت سے بسر کر لیجاؤں گا۔

وفد اکون وایم اللہ اکثرکم ‍ سمعا وطوعا واخلاصا لوالیھا

اور خدا کی قسم شاید مین تم سب سے زیادہ حاکم وقت کے احکام کی اطاعت وفرمان برداری کرنے والا ہون گا۔

وان اکون وزیرا فی امارتہ ‍ خیر لکم فدعونی من تولیھا

میرا وزیر ہونا کسی دوسرے حاکم کے لئے تمہارے واسطے بہتر ہے لہذا مجھکو حکومت کے قبول کرنے سے معاف کرو۔

قالوا ولیس لھا الا ابو حسن ‍ یجری سفینتھا امنا ویرسیھا

سب نے یک زبان ہوکر کہا کہ ابو الحسن (علیؑ) کے سوا کوئی اس ناؤ کو منجدہار سے نکال کر ساحل تک نہین پہونچا سکتا،

انا ننا شدک اللہ المھیمن ان ‍ تعید للشرعۃ السمحا نداء لیھا

ہم آپ کو خدا کی قسم دیتے ہین کہ آپ شریعت اسلام کی چمک دمک کو از سر نو تازہ کر دین۔

وان تمد یدا بیضا لامتنا ‍ بما تعید الی ماضی تصافیھا

اور اس امت کیطرف نصرت کا ہاتھ بڑھا کر اسکے صاف اور خوشگوار ماضی کو دوبارہ پلٹا دین۔

الا تری لملک والاسلام فی خطر ‍ دان ونکبتہ صعب تلا فیھا

کیا آپ مملکت اسلامیہ اور خود اسلام کو خطرہ مین نہین دیکھتے اور وہ ایسی مصیبت مین مبتلا ہی جسکی تلافی بہت مشکل ہے۔

فی امۃ باتت قد ناطت امانیہا — الا تخاف الہا انت تعبدہ

کیا آپکو اپنے معبود حقیقی کا خوف نہین ہے اس پوری امت کے بارے مین کہ جو آپ سے لو لگائے ہوے ہے۔

ولم یزالو ابہ حتی اصاخ لہم — سمعا و دعوتہم امسی ملبیہا

اور وہ لوگ یونہی اصرار کرتے رہے یہانتک کہ حضرت نے انکی تمنا پر توجہ فرمائی اور انکی خواہشون کو قبول کیا۔

حتی علی فضلہ اثنت و صاح — امیر المومنین عمید العرب منشیہا

یہانتک کہ سب نے حضرت کی مدح و ثنا کرنا شروع کی اور آواز دی کہ اے امیر المومنین اے سردار عرب۔

امدد یمینک فضلا کی نبایعہا — واظفر ببیعۃ اخلاص نودیہا

اپنا ہاتھ پھیلائیے کہ ہم سب بیعت کرین اور آپ ہماری مخلصانہ بیعت کو قبول فرمائین۔

فقال نی عذرا دری لست اقبل منکم بیعۃ خفیۃ یا مستبیعیہا

حضرت نے فرمایا کہ اے بیعت کے طالب لوگو مین اپنے گھر کے اندر مخفی حیثیت سے بیعت حاصل کرنے کو کسی طرح منظور نہین کر سکتا۔

وانما المسجد المبرور موضعها   والناس تشهد عاطیها ومعطیها

بے شک مسجد نبی ہیں کہ جو مبارک و مقدس مقام ہے جس موقع پر کہ تمام لوگ حکومت کے لینے والے اور دینے والے کا مشاہدہ کریں۔

فاسرعوا بالعلی المرتضیٰ وابها   ذبح السرور یغنیها مغنّیها

علی بن ابی طالبؑ کے ساتھ تیزی کے ساتھ سب کے سب فرحت و سرور کے گیت گاتے ہوئے روانہ ہوئے۔

والناس من حوله تبدی بشائرها   من بعد ان بلغت فیه تمنّیها

لوگ چاروں طرف سے گھیرے ہوئے اپنی خوشی کے جذبات کو ظاہر کر رہے تھے چونکہ انکی آرزو حضرت کے متعلق برآئی تھی۔

حتی اذا ما انتهت للمسجد النبوی بایعته وما ضنّت بایدیها

یہانتک کہ مسجد نبوی میں پہنچ گئے تو سب نے حضرت کی بیعت کی اور کسی نے ہاتھ بڑھانے میں بخل نہیں کیا،

وھکذا صار مولانا العلی امیر المومنین وساد العرب حامیها

اور اس صورت سے ہمارا بلند مرتبہ امام تمام مومنین کا امیر قرار پایا اور عرب کی سرداری انکے سچے حمایت کرنے والے کو حاصل ہوئی۔

وسرّت الخلق من عرب ومن عجم   به وفاضت علی الدنیا تهانیها

تمام خلق خدا عرب و عجم کو اس سے مسرت ہوئی اور دنیا میں خوشی و تہنیت کا وفور ہو گیا۔

خلافت آلہیہ اور سیاست ملوکیہ میں تفرقہ

یعنی حقیقی جانشین رسول کی جانب جستجو

خدا کا رسول دنیا میں کسی عظیم الشان سلطنت کی بنیاد قائم کرنے نہیں آیا تھا، نہ وہ ایسے شاندار قصروں کی تعمیر کرنا چاہتا تھا جن کے کنگرے سطح فلک سے مقابلہ کرتے ہوں، نہ وہ کوئی خزانہ جمع کرنے کی ضرورت سمجھتا تھا جس میں تمام اطراف ارض کا خراج سمٹ کر ذخیرہ کیا جائے، نہ وہ ایسا شاندار لباس پہننا باعث افتخار سمجھتا تھا جس کی چمک دمک سے دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ ہوں، بے شک اگر پروردگار عالم کی نظر میں ان ظاہری اشیاء کے لئے کوئی اہمیت حاصل ہوتی تو قیصر و کسریٰ سب سے زیادہ حقدار تھے کہ ان پر وہ اپنا پیغام نازل کرتا، ملک عرب کے بڑے بڑے سرمایہ پرست کافی وجوہ رکھتے تھے کہ وہ اُن کو اپنا سفیر مقرر کرے لیکن یہ کیا تھا کہ اُس نے بنی ہاشم کے گھرانے میں سے ابو طالب کے پرورده یتیم کو رسالت کے عہدہ کے لئے منتخب کیا اور نبوت کا اعلیٰ منصب اسکے متعلق کیا۔ تمام سرمایہ داران

قریش اور ارباب حشم و خدم کی گردنیں اس ہستی کے سامنے خم کرا دیں کیا اس لئے کہ اُن کے اقتدار سے مافوق ایک دنیاوی سلطنت قائم کرنا منظور تھا؟ ہرگز نہیں، اگر ایسا ہوتا تو وہ قادر تھا اپنے پیغمبر کے لئے مکہ و مدینہ کے پہاڑوں کو طلائے خالص بنا دیتا اور زمین کے سنگریزے زر و جواہر بنجاتے لیکن اس کے برخلاف رسُول نے اپنی زندگی بھر دونوں وقت شکم سیر ہو کر کھانا بھی نہ کھایا، شاہی محل اور سلطانی قصر کیسے! رسالتمآب صلعم کے گھروں کی تو یہ شان تھی کہ حسن بصری ناقل ہیں کہ میں بچپنے میں رسُول کے گھروں کے اندر جایا کرتا تھا تو چھت کو اپنے ہاتھ سے چھو لیتا تھا (وفاء الوفاء) مسجد کا شاہی دربار جس میں ارکان دولت کا اجتماع ہوتا تھا اُس میں سلطان دین و دنیا کے پاس بیٹھنے والے وہ اشخاص ہوتے تھے جنکے پاس پہننے کو سابوت کپڑا بھی نہ تھا۔ اس سیرت کو دیکھتے ہوئے یہ بات کسی ثبوت کی محتاج نہیں رہتی کہ خدا کا رسول ملوکانہ زندگی بسر کرنے کیلئے نہیں بلکہ بنی نوع بشر کو حقائق توحید سے مطلع کرنے اور دنیا کو درس اخلاق دینے کے لئے آیا تھا، وہ مادہ کی ظاہری شان و شوکت کو توڑ کر روحانیت کے جذبہ کو ترقی دینا اپنا فرض سمجھتا تھا اور اول بعثت دور سے لیکر آخری وقت تک اُس کا نصب العین یہی رہا۔

رسُول کی آنکھ بند ہوئی اور موت نے اُنکے ظاہری فیوض کو مسلمانوں سے سلب کیا جس کے ساتھ ہی اخلاق و عادات، جذبات و اخلاق مین عجیب غریب انقلابات پیدا ہو گئے، روحانیت کی جگہ مادیت نے لینا شروع کی اور حقائق پرستی کے بجائے سرمایہ پرستی نے اپنا عمل قائم کر دیا قیصر و کسریٰ کے ممالک فتح ہوے، ایران کی نازک مزاجی، ظاہر داری فضول خرچی کا اثر غیر متمدن عربون نے لیا اور مال غنیمت کی کثرت نے خزانون کے دامن کو زر و جواہر سے مملو کر دیا۔ اب کیا تھا، بیدردی سے اسلام کی دولت صرف کی جانے لگی اور اسلامی خصوصیات کے برخلاف ملوکیت اور جہانگیریت کا دور دورا شروع ہو گیا، مستحقین کے بجائے مسلمانون کا مال ملکی سیاست اور ذاتی اغراض کا ذریعہ قرار پا گیا۔

"سیاست" اپنے حقیقی معنی مین بہت خوشگوار اور قابل وقعت لفظ ہے، یہ درحقیقت اُس انتظامی قابلیت کا نام ہے جو مبدأ فیاض کی طرف سے مدنیت و اجتماع کی حفاظت کیلیے کسی انسان مین ودیعت کیجاتی ہے اور جس کے آثار اصلاح ملک و ملت کے ضمن مین ظاہر ہوتے ہین۔

لیکن افسوس ہے کہ جس طرح بہت سی لفظین اپنے غلط استعمال کی وجہ سے بے وقعت ہو گئی ہین اسیطرح سیاست کا لفظ اپنے بے محل موارد

استعمال کی بدولت اصلی مفہوم سے ہٹ کر دوسرے معنی کا قالب بن گیا ہے
سیاست کے معنی جدید اصطلاح مین اپنے مقصد کو حق ناحق ہر طریقہ سے
کامیاب بنانا اور اُس کے حصول مین جن طریقون کی بھی ضرورت ہو اُن
کا بلند حوصلگی کے ساتھ استعمال کر کے اُس مقصود کو حاصل کر لینا۔

خدائی مدرسۂ اخلاق و تمدن کے تعلیمیافتہ افراد مین سیاست کی
جنبہ کو مذکورۂ بالا حیثیت سے تلاش کرنا کھلی ہوئی غلطی ہے، نہ یہ کہ وہ
سیاست کے پیچیدہ رموز و اسرار سے ناواقف ہوا کرتے ہین، ہرگز نہیں
بلکہ اس لئے کہ اُن کو دیانت و امانت کے فرائض اور خدائی قانون کی دفعات
اجازت نہین دیتے کہ وہ اُن طریقون کا استعمال کرین، وہ تو قدم قدم پر اپنے
خدا کی مرضی کے جویا اور اُس کی خوشنودی کے طالب ہوا کرتے ہین اور
اپنی حرکت و سکون بلکہ گردش چشم اور جنبش زبان مین اسبات پر نظر رکھتے
ہین کہ اس قانون کی خلاف ورزی نہونے پائے جسکے وہ پابند بنا دئے گئے ہین
اِس فلسفہ کو حکیم الاسلام امیر المومنین ع نے چند کلمون مین اس طرح ادا
فرمایا ہے واللہ لولا الدین لکنت ادھی العرب۔ دنیا پرست افراد
اپنے مقصد کے حصول مین ہر جائز و ناجائز طریقہ کا عمل مین لانا ضروری
سمجھین لیکن شریعت الٰہیہ کے محافظ اور دینی احکام کے نگہبان افراد کسیطرح
اِن طریقون کو اختیار نہین کر سکتے جن کے متعلق مذہبی احکام اجازت نہین

ویسے اگر سیاست سے ناواقفیت اسی کا نام ہی تو ہم بہت کشادہ پیشانی کے ساتھہ اِس کے تسلیم کرنے کے لئے موجود ہین۔ دنیاوی بادشاہون، مادہ پرست ارباب اقتدار مین اگر تم سیاست کے اِس مفہوم کو تلاش کرتے ہو تو کچھہ بیجا نہین، مگر خلافت الٰہیہ کے مالک اور شریعت مقدسہ کے محافظ افراد کے حالات زندگی اور طرز عمل مین اس مفہوم کی جستجو کرنا دانشمندی سے بہت بعید ہے۔

وصی درحقیقت نبی کا جانشین ہوا کرتا ہے لیکن جانشینی سے مراد صرف ظاہری مسند پر بیٹھہ جانا یا منبر پر رسول کی جگہ کو پر کر دینا نہین ہے بلکہ اعمال و اخلاق اور سیرت مین بالکل رسول کی تصویر ہو کر دنیا کے سامنے نمونہ رسول بنکر ظاہر ہونا ہی جسکی وجہ سے رسول کی جگہہ پر ہو جا بابن معنی کہ اخلاق و کمالات کی حیثیت سے وصی اس طرح نور رسالت کا آئینہ بنجائے کہ گویا دنیا کو معلوم ہو کہ رسول عالم مین موجود نہین ہین، یہ حقیقی معنی جانشینی کے ہین اور جسمین یہ صفت پائی جائے وہی حقیقی جانشین رسول کہے جانیکا مستحق ہے۔

رسالتمآب صلعم کی وفات کے بعد جو انقلابات پیدا ہوئے اُنھون نے شریعت اسلامیہ کی صورت کو بہت کچھہ بدلدیا تھا اور روحانیت کے بجای مادیت نے نولے طور پر اپنا عمل قائم کر لیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ارباب اقتدار کی طرف سے سیاسی مقاصد کی تکمیل کے لئے اسلامی روپیہ عالی حوصلگی کیساتھہ صرف کیا جانے لگا

مخصوص حواشی موالی اور رشتہ داروں کا خیال تمام مسلمانوں سے مقدم رکھتے ہوئے اہل اسلام کے مشترکہ اموال کو معدودے چند افراد سے مخصوص کر دیا گیا، حضرت عثمان کا دوران خصوصیات کی حیثیت سے پورا امتیاز رکھتا ہے۔

مصر، عراق، شام تمام اطراف خاندان بنی اُمیّہ کے تسلط و اقتدار کا مرکز بنگئے، مروان بن الحکم جو رسول کی زندگی میں بلکہ اُس کے بعد بھی خلیفۂ اول و خلیفۂ ثانی کے عہد تک مدینہ کے اندر داخل ہونے سے ممنوع تھا وہ ذاتی مصالح کی بنا پر اتنا سر چڑھایا گیا کہ خلافت اسلامیہ کا نظم و نسق اُسکی چشم و ابرو کے اشارہ کا تابع ہوگیا، آرمینیا کا ملک فتح ہوتا ہے اور اس کا پورا خمس مروان کو ہبہ کر دیا جاتا ہے، عبداللہ بن خالد بن امیّہ تنگدستی کا اظہار کرتا ہے اسکو ۳ لاکھ درہم بیت المال سے سپرد کر دیئے جاتے ہیں، حکم بن ابی العاص جسکی گردن میں رسول کی زبان سے لعنت کا طوق پڑ چکا تھا وہ مدینہ میں لا کر مقربین بارگاہ میں داخل کیا گیا اور اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ حقوق مسلمین سے ایک لاکھ درہم بھی اُسکو عطا کر دیے گئے، مروان کے بھائی حارث بن حکم کو "تہزور" نامی ایک موضع لکھدیا گیا حالانکہ رسالتمآب اپنی زندگی میں اُسکو مسلمانوں کے لئے تصدق قرار دے چکے تھے، خود مروان بن الحکم کے نام فدک لکھدیا گیا حالانکہ یہی وہ باغ ہے جسکے لئے فاطمہ زہرا علیہا السلام نے پہلے دور میں کبھی میراث کی بنا پر اور کبھی عطیۂ رسول ہونیکی رو سے احتجاج کیا مگر اُنکے قول کو رد کیا گیا اور اُسکو مسلمانوں کیلئے وقف بتایا گیا، لیکن تیسرے دور میں حکم بدل گیا اور اُسے

مروان بن الحکم طرید رسول کی ملکیت قرار دینا جائز سمجھا گیا، مدینہ کے ارد گرد جتنی سرسبز وشاداب زمینیں تھیں وہ سب حکومت کی طرف سے اپنے لئے مخصوص قرار دیدی گئیں اور سوائے بنی امیہ کے کسی شخص کو مسلمانوں میں سے وہاں مویشی لیجاکر چرانے کی اجازت نہیں رہی، افریقیہ غربی (طرابلس الغرب سے لیکر طنجہ تک) فتح ہوا اور جتنا بھی مال خراج وہاں سے آیا وہ سب بلاشرکت غیرے عبداللہ بن ابی سرح کو عطا کر دیا گیا، معاویہ کے والد ابوسفیان بن حرب کو بیت المال سے دو لاکھ روپیہ دیئے گئے اور یہ اسی دن کا تذکرہ ہے کہ جب مروان کو ایک لاکھ درہم ملے تھے جس پر زید بن ارقم خازن بیت المال نے کنجیاں لاکر سامنے رکھدیں اور رونا شروع کیا، حضرت عثمان نے کہا کہ تم اس لئے روتے ہو کہ میں نے اپنے قرابت داروں کی اعانت کی، زید نے کہا ایسا نہیں بلکہ میں اس خیال سے رویا کہ آپ نے مسلمانوں کا مال غیر مستحق اشخاص کے سپرد کیا، اگر مروان کو سو درہم بھی دیئے جاتے تو بہت تھے اور ابوسفیان کو ایک درہم بھی ملنا تو زیادہ تھا کیونکہ یہ دونوں ہمیشہ سے اسلام کے ساتھ جنگ کرتے رہے، عوض اسکے کہ ان کلمات سے کچھ اثر لیا جاتا جواب ملا کہ اچھا کنجیاں رکھدو ہمکو بیت المال کی خزینہ داری کے لئے کوئی دوسرا شخص مل جائیگا۔ اسکے علاوہ ابوموسیٰ اشعری نے عراق سے اموال خراج کو بھیجا وہ تمام بنی امیہ کے درمیان تقسیم کر دیا گیا اس قسم کے واقعات کثرت سے ہیں جنکو اگر تفصیل سے بیان کیا جائے تو ایک طویل مضمون درکار ہے۔

بنی امیہ کے ساتھ ان تمام رعایتوں کا منشا صرف سیاسی مصالح تھے اور یہ غرض تھی کہ بنی ہاشم کے مقابلہ مین اس گروہ کو پوری طاقت حاصل رہے اور دامن خلافت تک کوئی آنچ آنے لگے تو یہ لوگ سینہ سپر ہوں شام مین معاویہ اور اُن کے جانشین سلاطین نے طلا و نقرہ کی سیاسی بارش کو بہت ترقی دی، اُن کا نقطۂ نظر زیادہ وسیع تھا، وہ صرف بنی اُمیہ کے جذب قلوب پر اکتفا نہ کرتے ہوئے تمام اشراف قبائل اور روسا قریش کی رضامندی کو حاصل کرنا چاہتے تھے اور اکثر وہ اپنے طلائی اور نقرئی سکون سے اپنے مقاصد مین کامیاب بھی ہو جاتے تھے، اگر ذرا غور سے ان تمام سلاطین کے حالات زندگی مین غور کیا جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ انکی غرض سوائے اپنے ذاتی مصالح اور سیاسی اغراض کے اور کچھ نہ تھی اور اپنے مقصد کے حصول مین کسی مذہبی یا اخلاقی قانون کا لحاظ ضروری نہ سمجھتے تھے، یہی ملوکانہ سیاست اور دنیاوی طریق حکومت ہے جس سے اسلام کو دور کا بھی واسطہ نہین ہے۔

اس سب کے مقابلہ مین جب امیر المومنین کے طرز حکومت اور حالات زندگی پر نظر کیجائے تو بے ساختہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ آپ کا اقتدار زر و جواہر کی بارش کا رہین منت اور سیاسی طریق عمل کا زیر بار احسان نہین ہے آپ

اپنے پیش رو حضرت رسول اکرم کی طرح خالص روحانی سلطنت کی بنیاد قائم
کرنا چاہتے تھے جس مین تصنع اور ریاکاری، جنبہ داری کا نشان تک نہین
پایا جا سکتا، مسلمانون کے بیت المال کو حضرت ایک امانت سمجھتے تھے
جو خالق کریم کی طرف سے آپکے ہاتھ مین مستحقین تک پہونچانے کے لئے
ودیعت رکھی گئی ہو، کیا ممکن ہے کہ اُسمین سے ایک حبہ بھی بلا استحقاق
کسی کو دیدیا جائے، ایک طرف شام مین قبیلۂ قریش کے بڑے بڑے
افراد کیلئے خزانون کے منھ کھلے ہوے تھے اور جو شخص بنی ہاشم سے منحرف ہو کر
حاکم شام کا دوست ہو جائے وہ مال دنیا سے مالامال ہو جاتا تھا لیکن
دوسری طرف قرآن مجید کی تعلیم کا خیال اور سنت رسول کی پابندی پیش
نظر تھی، تمام مسلمانون میں مساوات جو شریعت اسلامیہ کا طرۂ امتیاز ہے اور
جس کو کتاب خدا نے انما المومنون اخوۃ کہکر واضح کیا تھا، اُس سے
امیر المومنین ذرہ برابر ہٹنا نہ چاہتے تھے، یہانتک کہ اس مساوات سے
حضرت کی اولاد، بھائی، بھتیجے، اور دیگر عزیز قریب بھی مستثنیٰ نہ تھے، عقیل
جو حضرت کے حقیقی بھائی تھے اُنھون نے کتنا چاہا کہ انکے مقررہ وظیفہ مین
کچھ اضافہ کر دیا جائے مگر کسی طرح امیر المومنین ع نے منظور نہ کیا، سابق دور
مین قرابت دارون اور قوم قبیلہ والون کے ساتھ مخصوص رعایتین
عقیل کو ہمت دلا رہی تھین کہ وہ بھی اپنے بھائی سے اِس قسم کی عاینون

کے خواستگار ہون لیکن علی بن ابیطالبؑ کی طرف یہی جواب ملتا تھا کہ بیت المال تمام مسلمانون کا حق ہے مجھ سے مخصوص نہین ہان مین بھی دوسرے مسلمانون کے برابر لینے کا مستحق ہون، اگر تم کہو تو مین اپنے حصہ مین سے تمکو دیدون، عقیل کا اصرار زیادہ ہوا حضرت نے فرمایا کہ جمعہ کو مسجد مین نماز کیوقت مجھ سے ملاقات کرو، روز جمعہ جب مسجد نماز گذارون سے مملو ہو گئی اور حضرت نماز و خطبہ سے فارغ ہوے تو عقیل کو اپنے پاس بلاکر ارشاد فرمایا، کیون تمہارے نزدیک جو شخص ان سب لوگون کی خیانت کرے وہ کیسا ہے؟ عقیل نے کہا کہ اُس سے بدتر کوئی شخص نہین، امیرالمومنین نے ہنسکر فرمایا "تم مجھ سے یہی تو چاہتے ہو کہ مین ان سب کی خیانت کرون اور تمکو ان تمام لوگون کے حقوق مین سے مخصوص امتیاز دیدون"

کچھ روز پھر سکوت کرنے کے بعد عقیل نے اپنی خواہش کا اعادہ کیا اور اپنی مرتبہ اولاد کو لیکر حضرت کی خدمت مین آئے جنکے چہرون سے فقر و فاقہ کے آثار نمایان تھے؛ حضرت نے پھر اپنے حصہ کو جو بیت المال سے مقرر تھا دینے پر آمادگی ظاہر فرمائی - اور جب انھون نے اسے منظور نہ کیا تو حضرت نے فرمایا کہ شام کو میرے پاس آنا، جب وہ وقت آیا عقیل حضرت کی خدمت مین حاضر ہوے آپنے ایک ٹکڑا لوہے کا جو آگ سے گرم کیا ہوا رکھا تھا اُن کے ہاتھ پر رکھا عقیل فریاد کرنے لگے کہ آپ مجھکو آگ سے کیون اذیت

دیتے ہیں؟ حضرت نے مسکرا کر فرمایا کہ تم ایک لوہے کے ٹکڑے سے جو دنیا کی معمولی آگ سے گرم کیا گیا ہے اتنا گھبراتے ہو اور مجھ کو چاہتے ہو ایسی آگ میں بھیجو جسے خدا نے اپنے قہر و غضب سے روشن کیا ہے۔

کوتاہ نظر اور ظاہر بین افراد امیر المومنینؑ کے اس طرز عمل کو چاہے سیاست اور اصول حکومت کے خلاف تصور کریں لیکن اگر عقل و انصاف کی روشنی میں دیکھا جائے تو علی بن ابیطالبؑ کا طرز عمل اسلامی اصول مساوات کا بہترین نمونہ ہے،

کیا امیر المومنین سے اسکی توقع کیجا سکتی ہے کہ وہ بھی مثل سابق دور کے تمام بیت المال کو اپنے اعزّہ و اقارب سے مخصوص کر دیتے اور تمام مسلمان اس سے محروم کر دئیے جاتے، علی بن ابیطالب اپنی خلافت میں ملوکانہ سیاست کے استعمال کے محتاج نہ تھے، ان کی خلافت خلافت الٰہیہ تھی اور روحانی طاقت و قوت پر اُس کا دار و مدار تھا۔

عالم انسانیت کا معلم اعظم (۱)

آفتاب لاکھون بار زمین کے گرد گردش کرے یا زمین کروروں مرتبہ آفتاب کے گرد چکر لگائے، لیل و نہار کے سیاہ و سفید ورق اپنے تمام دلاویز نقوش کے ساتھ سامنے آئین اور گذر جائین اور افراد انسانی کیلیے اپنا وجود صفحۂ تاریخ مین محفوظ کر جائین، انسانی نسل کے قافلے اس منزل مین اُترین، رہین سہین اور سفری ہو جائین لیکن "انسان کامل" یا عالم انسانیت کے معلم اعظم" کی تلاش تمکو ہمیشہ ایک محدود ہی دائرہ کی طرف رہنمائی کرے گی جس مین وسعت کا پتہ اور کثرتِ تعداد کا نشان نہین۔

ہر قوم اپنے لیے گنتی کے افراد رکھتی ہے جنکو وہ اپنے کامل ترین افراد کی فہرست مین پیش کرسکتی ہے اور انمین بھی جب انتخاب کیا جائے تو سب سے زیادہ کامل ترہستی ایک ہی ہوگی جو اُس خط ارتقاء کا انتہائی نقطہ سمجھی جاسکتی ہے۔

اگر یہ صحیح ہے کہ اقوام عالم مین باعتبار اپنی صداقت، روحانیت اور خصوصیات روحانی کے سب سے زیادہ مکمل قوم اسلام کی قوم ہے تو یہ بھی

(۱) سرفراز رجب نمبر ۱۳۵۲ھ

تسلیم کرنا ضروری ہوگا کہ اس قوم کی "کامل ترین" یا "سب سے بڑی ہستی" وہی ہونا چاہیئے جو تمام "عالم انسانیت"، میں یکسان طور پر "معلم اعظم" سمجھی جاسکے -

دنیا مادہ پسند ہے اور مادی اشیاء پر جان دیتی ہے، مسلمانون کے عام افراد بھی اپنے بشری اقتاد طبع کی بناء پر اس کلیہ سے مستثنیٰ نہ تھے، اُنھون نے عظمت کا معیار ظاہری شان و شوکت، اکثریت، انتظامی معاملات مین ظاہری سوجھ بوجھ اور بست و کشاد، نظم و نسق کی قابلیت کو سمجھ لیا اور اسی کے سامنے سر تسلیم خم کرنے لگے لیکن اگر خود اسلام ایک عملی قانون ہے، اگر اس نے اقوال سے زیادہ اعمال کو اہمیت دی ہے۔ اگر وہ اپنے ماننے والون کی ترقی روحانی اور تہذیب نفسانی اور اخلاقی شایستگی کا ذمہ دار ہے تو اسکی مکمل ترین ہستی وہی ہوسکتی ہے جو اُن تعلیمات کا مکمل نمونہ اور عملی مجسمہ ہو جس نے اپنے افعال و اعمال و زندگی کے ہر حرکت و سکون سے دنیا کے لئے ایسے نمونے پیش کئے ہون جن کی موافقت شایستگی اخلاق اور تہذیب نفس جامعہ بشری کی شیرازہ بندی اور امن و امان، زندگانی ملی کے خوشگوار و کامیاب بنانے کی ضامن ہو، یہی ہستی وہ ہوسکتی ہے جو دنیائے اسلام کے "انسان کامل" یا "عالم انسانیت کے معلم اعظم" کا لقب پانے کی مستحق ہو -

رسول اسلام نے اپنے تعلیمات کی ایک روح تھی کہ جو پھونکی اور ظرف واستعداد کے مطابق ہر ایک نے اُس روح سے اثر لیا اور جاہلیت کی موت سے زندہ ہو کر نشاۂ ثانیہ حاصل کیا لیکن یہ واقعہ ہے کہ اس روح کا مکمل اثر لے کہ خود اسی روح کا مجسمہ بنجانیوالی کچھ ہی مخصوص ہستیاں سمجھی جاسکتی ہیں جن میں بھی تفرقہ و امتیاز کی بنا پر افضل و اکمل ہستی ایک ہی ہو گی اور کوئی نہیں۔

بے شک افراد اسلام کی سیرت زندگی ہمارے سامنے ہے، تاریخ کے اوراق اُن تمام حوادث و واقعات کو اپنے نقوش والفاظ کی طلسم سے محفوظ کئے ہوئے ہیں جو خود ہماری آنکھوں کے سامنے نہ ہوئے تھے اور افسانہ ماضی بن چکے ہیں۔

اُن میں بعض تو ایسے تاریک مرقع ہیں کہ جنکی طرف دیکھکر خود بخود آنکھ بند ہو جاتی ہے اور منھ پھر جاتا ہے بعض ایسے ناقص اور غیر مکمل مجسمے سامنے آتے ہیں جن میں محاسن کے ساتھ عیوب و نقائص کی شرکت سے خط و خال بگڑا ہوا نظر آتا ہے اور نمونہ عمل بننے کے قابل نہیں بعض اتنے مدہم نقوش ہیں کہ جو صاف نظر نہیں آتے اور جنمیں کفر و اسلام کا امتیاز مشکل ہوتا ہے۔

حجاج بن یوسف ثقفی۔ عبدالملک بن مروان ولید۔ یزید بن معاویہ

معتصم۔ منصور۔ متوکل وغیرہ ایسے وہ افراد کہ جنھیں عام دینیتون نے اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول کیساتھ اولی الامر منکم کا مصداق قرار دیکر مسلمانون کا قبلۂ اطاعت اور کعبۂ توجہ تبلایا ہو کیا یہی ایسے نمونے ہین جن کو عالم کے سامنے پیش کرکے ہم اسلام کی روحانیت اخلاقیت صداقت وحقانیت کے سامنے انکو سر تسلیم خم کرنے کی دعوت دین اور اُن ہی کے طرز عمل یعنی سفاکی، خونریزی، امن و اطمینان کے ساتھ دشمنی یا عیاشی، شہوت رانی، خواہش پرستی یا خود غرضی نفسانیت جانبداری کو نمونے مین پیش کرکے یہ دعویٰ کرین کہ اسلام دنیا مین شائستہ اخلاق اور بلند تعلیمات کا حامل و علمبردار اور انسانی ترقی و تہذیب کا ذمہ دار بن کر آیا ہے۔

یا اس سے آگے بڑھ کر شاہانہ شان وشوکت اور ملوکانہ حشم و خدم سیاسی جوڑ توڑ، مکاری، چال بازی یا اپنے مفاد کے لئے قوم و مذہب کے مفاد کو پامال کر دینے کی تعلیم کو ناز و افتخار اور مسرت کیساتھ پیش کر سکتے اسلام کی روحانیت اور عملی تربیت کے کوس لمن الملکی بجانے کی جرأت کرین

یا اور آگے جاکر حریت مساوات کی بیقدری، اخوت اسلامی کی بے احترامی۔ قبیلہ بندی اور اپنے قوم وقبیلہ بھائی بندون کیساتھ جانبداری آزادی رائے کو سلب کرنے کے ساتھ جبر و تشدد کی کارفرمائی، حق گویون

کی زبان بندی اور انکی دل آزاری معاہدات کے خلاف ورزی اور جمہور کے جذبات کی پامالی یہ ہے جو اسلامی تعلیمات کے نمونے میں پیش کیجائے؟

یا اسلام کی روحانیت و صداقت کی بہترین سند اور اسلام کی تعلیم اخلاقی و تہذیب اجتماعی کی مکمل دستاویز انہی فتوحات کو قرار دے لیا جائے جن میں اسلام کی تلوار جارحانہ صورت سے دنیا کے امن و امان کو خاک میں ملا رہی تھی اور آس پاس کے ہمسایہ اقوام کو تباہ کر کے اپنی سلطنت اور حدود مملکت میں اضافہ کر رہی تھی اور جس نے ہمیشہ کیلئے اسلام کے پاک دامن پر یہ دھبہ لگا دیا کہ وہ امن و امان کا دشمن ہے۔ اور یہ کہ وہ تلوار کے زور سے پھیلا ہے؟ یا اس علم دوستی و ادب پروری کو اسلامی تعلیمات کا نمونہ سمجھا جائے۔ جو کتب خانہ اسکندریہ کے تباہ ہونے کی صورت میں ظاہر ہوئی" جس کی وجہ سے علم دوست اقوام یہ کہنے لگے کہ "اسلام علم کا دشمن ہے"۔

یا اسلام کی سچائی اور روحانیت کا ثبوت ذاتی نفوذ و اقتدار جاہ طلبی شخصیت پروری حقداروں کے حقوق سے چشم پوشی اور حق طلبی کے خلاف جبر و تشدد، تخویف و تہدید، ظلم و استبداد، ناانصافی اور غیر رواداری وغیرہ ایسے اوصاف کو سمجھا جائے جنکے واقعات تاریخ اسلامی میں صاف طور سے محفوظ ہیں۔ آخر پھر کوئی بتائے کہ غیر اسلامی دنیا کے سامنے ہم اسلامی تعلیمات کے عملی نتیجہ کی کس طرح روشناسی کرائیں اور کس طرح ہم

ثابت کریں کہ اسلام عملی مذہب ہے اور ایسے افراد ہیں جنھوں نے اسکے تعلیمات

پر اس طرح عمل کیا کہ وہ اسکی مجسم مثال بن گئے۔

بیشک اس کے لئے دنیائے اسلام میں چند ہی مستیاں ہیں جنکے عملی

اوصاف محامد و خصال اور اخلاق و عادات کا آئینہ اتنا صاف اور

بے عیب ہے جس میں کوئی دھبہ نظر نہیں آتا۔ اور ان میں ممتاز و نمایاں ہستی

رسول اسلام کے حقیقی جانشین اور ملت اسلامیہ کے واحد رہنما

حضرت امیرالمومنین علی بن ابیطالب؏ کی ہے۔

ضرورت ہے کہ دنیا آپ کی سیرت زندگی۔ اوصاف و کمالات اور

افعال و اعمال کو دیکھے سمجھے اور غور کرے، اُن کے عظیم نکات و اسرار تک

پہونچنے کی کوشش کرے۔ اور دنیا کے سامنے پیش کرے۔ بیشک علیؑ ہی کی

ہستی وہ ہے جس کا اتباع ملت اسلامیہ کے ارتقاء روحانی اور تہذیب

و شائستگی اور تنظیم ملی کا ذمہ دار ہے اور یہی ہستی وہ ہے جسکو دنیا کے سامنے

پیش کرکے یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ یہ ہے "دنیا کا انسان کامل"

اور یہ ہے عالم انسانیت کا معلم اعظم"۔

علی نقوی النقوی عفی عنہ

ہان اے فرزندان اسلام واے اولاد علیؑ وفاطمہؑ بس آج ہی وقت ہے کہ حرم خدا و رسولؐ اور عرض مقدس حجاز کو جسمین اسلام کی مقدس ترین امانتین یعنی آپ کے اجداد و پیشوایان روحانی دفن ہین۔ نیز وہ آپ کا مذہبی مرکز اور اس لئے دینی وطن بھی ہے۔ ابن سعود نجدی کے پنجہ ظلم سے چھڑا لیجئے

مجاہدین جمعیت ادریسیہ حجازیہ

کو فوراً مالی اور اخلاقی مدد دیجئے۔ تاکہ وہ اس اسلامی خدمت کو انجام دیکر ارواح مطہرہ رسولؐ و علیؑ و بتولؑ و دیگر بزرگان دین کو خوشنود کر سکین جس وقت تک یہ مقدس ہستیان قبروں مین بےچین ہین۔ آپ کو بھی چین کی نیند سونا حرام ہے خدا کیلئے چونکیے ذرا ہوشیار ہو جیئے اب ایک لمحہ کی دیر کا موقع نہین ہے۔

(خادم) حاجی حسن آنریری اسسٹنٹ سکریٹری
انجمن تحفظ آثار متبرکہ حسین آباد، لکھنؤ

امامیہ مشن کی ممبری قبول فرما کر

ناصرین اہلبیت علیہم السلام کی فہرست میں اپنا نام نامی درج کرا لیجئے

چندہ لائف ممبری یکمشت پچاس روپیہ

چندہ ممبران خصوصی کم از کم پانچ روپیہ سالانہ

چندہ ممبران عمومی کم از کم ایک روپیہ سالانہ

(نوٹ)

لائف ممبران و ممبران خصوصی کی خدمت میں تمام رسائل طلب بلا قیمت شایع ہوتے ہی ارسال ہوتے رہتے ہیں۔ اور ممبران عمومی کو (بشرطیکہ وہ طلب فرمائیں) ممبر بننے کے بعد شایع ہونیوالے رسائل نصف قیمت پر دیے جاتے ہیں۔

الداعی الی الخیر

آنریری سکریٹری

امامیہ مشن، لکھنؤ

امامیہ مشن بلڈنگ فنڈ

میں

سر دست ایک ہال کی تعمیر کیلئے صرف دو ہزار روپیہ
کی ضرورت ہے جسکا فراہم کردینا شیعیان امیر المومنین علیہ السلام
کیلئے کوئی بڑی بات نہیں ہے صرف ذرا سی توجہ کی ضرورت ہے۔
اُٹھئے اور مولاؑ کا نام لیکر خود اور اپنے احباب سے تھوڑی تھوڑی
رقم جمع کرکے اِس اہم مقصد کا تکملہ کرادیجئے اور اپنے اِس
دینی و تبلیغی ادارہ کو کرایہ کے مکان کا محتاج اور اُس پر اپنی گاڑھی کمائی
کے پیسہ کو برباد کرنے کا موقع نہ دیجئے۔
اِس فنڈ میں قلیل سے قلیل رقم بھی بصد شکریہ قبول کیجاوے گی اور
اِس کا اخبارات میں اعلان ہوتا رہے گا۔

الداعی الی الخیر
آنریری سکریٹری امامیہ مشن حسین آباد لکھنؤ

امامیہ مشن کے تبلیغی رسالے

(۱) قاتلان حسینؑ کا مذہب (تیسرا ایڈیشن) قیمت ۴ر، خرچہ ڈاک لے ر

(۲) تحریف قرآن کی حقیقت (دوسرا ایڈیشن) ۶ر 〃 لہ ر

(۳) مولود کعبہ 〃 ار 〃 ﺷ ر

(۴) وجود حجت 〃 ۴ر 〃 لے ر

(۵) اصول دین اور قرآن 〃 ۴ر 〃 لے ر

(۶) اتحاد الفریقین حصہ اوّل 〃 ۴ر 〃 لے ر

(۷) حسینؑ اور اسلام اردو 〃 لے ر 〃 ﺷ ر

(۸) 〃 〃 ہندی ۱۰ر 〃 ﺷ ر

(۹) 〃 〃 انگریزی ۲ر 〃 ﺷ ر

(۱۰) امامت ائمہ اثنا عشر اور قرآن ۰ر 〃 ﺷ ر

(۱۱) متعہ اور اسلام ۸ر 〃 لہ ر

(۱۲) تجارت اور اسلام ۳ر 〃 لے ر

(۱۳) اتحاد الفریقین حصہ دوم ۴ر 〃 لے ر

(۱۴) علی اور کعبہ ار 〃 ﺷ ر

(۱۵) رجال بخاری حصہ اوّل ۶ر 〃 لہ ر

(۱۶) مذہب باب وبہا ۵ر 〃 لے ر

(۱۷) نوروز وغدیر ار 〃 ﺷ ر

(۱۸) مجاہدہ کربلا ۳ر 〃 ﺷ ر

ملنے کا پتہ :- آنریری سکریٹری امامیہ مشن لکھنؤ